85 Burooj Makky Verses 22

(۸۵)

سُورۂ بروج

مکہ مکرمہ میں نازل ہوا۔ اس میں بائیس آیتیں ہیں

ماقبل سے ربط سورت ماقبل میں جس طرح ایمان والوں کے لئے نعیم آخرت کے وعدے دئے گئے تھے، اس سورت شریفہ میں بھی ان سے وعدے کئے گئے ہیں۔ نیز ماقبل سورت میں کافروں کو دردناک عذاب کا خوف دلایا گیا تھا یہاں بھی ان کو ڈرایا جا رہا ہے۔

۲۔ تفسیر بحر المحیط میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کی مخالفت اور ایذا رسانی کے لئے کفار مکہ نے ان کو مارنے، قتل کرنے، سولی دینے، جلا دینے، دھوپ میں تپانے، گرم پتھروں پر لٹانے، اور اوپر سے بھاری پتھر رکھنے وغیرہ کے جو جو منصوبے بنانے اور تکلیف پہنچانے کی نت نئی تدبیریں کرنا شروع کیں تو اللہ سبحانہ نے اس سورت شریفہ میں یہ تبلایا کہ اہل حق کے ساتھ اہل باطل کا یہ سلوک، کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ تم سے پہلے جو قومیں زمین پر بستی تھیں وہ بھی اس قسم کے ناروا سلوک ہمیشہ کرتی رہی ہیں۔

اور اس سے بڑھکر وحشیانہ سزائیں تجویز کی ہیں۔ بریں ہم اہل حق کے آگے ان کی ایک نہ چل
سکی یسلف صالحین اپنی قوم اور اپنی برادری کے ہاتھوں طرح طرح کی بلائیں سہتے رہے مگر
ان کے پائے ثبات میں کبھی بھی لغزش نہ آئی۔ وہ کوہ تمکین بنے ہوئے اپنے جادہ پر قائم
رہے اور کفار ہی ان کے مقابلے میں شکست یافتہ اور ہزیمت خوردہ ثابت ہوئے۔
اب تم اہل حق کے مقابلے پر اتر آئے ہو اور جس طرح بن پڑے ان کی مخالفت پر تلے ہوئے ہو
یاد رکھو کہ تم بھی ان کی طرح شکست اور ہزیمت سے دوچار ہوگے۔ اور الا ان حزب اللہ
ھم الغالبون کے بموجب اللہ والی جماعت ہی غالب ہو کر رہیگی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں
اصحاب الاخدود کا واقعہ دوہرایا جارہا اور حدیث الجنود سنائی جارہی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالسَّمَاۗءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۙ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۙ وَشَاهِدٍ ٨٥ (١-٣) ٧

85-1
85-2
85-3

وَّمَشْهُوْدٍ ۭ قسم ہے برجوں والے آسمان کی، اور اس دن کی جس کا وعدہ دیا گیا ہے

اور (اس دن کی جو) حاضر ہوتا ہے اور (اس کی کہ) جس کے پاس حاضر ہوتے ہیں۔

بروج کی تفسیر بُروج جمع ہے بُرج کی جس کے معنی ظہور کے ہیں جیسا کہ سورۂ
احزاب کی تفسیر میں گزر چکا: ۔ ولا تبرجن تبرج الجاهلية الاولى جاہلیت کے

اگلے دور میں جیسا کہ عورتیں بن سنور کر (اپنے حسن کا مظاہرہ کرتی ہوئی) نکلتی تھیں اس طرح (امہات المومنین) نہ نکلا کریں" اور سورۂ نور میں مسلمانوں کی بوڑھی عورتوں کو تک حکم ہوا :- غیر متبرجات بزینۃ کہ بناؤ سنگھار کرکے مظاہرہ نہ کیا کریں" ہاں ضرورت پر مسلمان عورت معمولی کپڑوں میں جو جاذب نظر نہ ہوں اور نہ خوشبو لگائی گئی ہو، منہ پر گھونگٹ ڈال کر نکل سکتی اور راستے کے ایک گوشہ سے گزر جا سکتی ہے۔ بہر حال از روئے لغت بُرج کے معنی ظاہر ہونے کے ہیں۔ پھر عالی شان مکان کو بھی بُرج کہا جانے لگا کیونکہ وہ بھی دوسرے مکانات کے مقابلے میں ظاہر اور نمایاں ہوتا ہے اسی طرح شہر پناہ اور فصیل میں بھی جا بجا جو گول حصے بنائے جاتے ہیں ان کو بھی ان کے نمایاں ہونے کی بنا پر بُرج کہتے ہیں۔

آسمانی پہرے یہاں آسمان کی قسم کھائی جا رہی ہے جو برجوں اور قلعوں والا ہے جہاں اللہ سبحانہ کے حکم سے پہرہ دار فرشتے متعین ہیں اور رات دن پہرہ دیا کرتے ہیں ان کی موجودگی میں کسی کی مجال نہیں کہ اندر داخل ہو سکے۔ بعثت نبویؐ سے پیشتر شیاطین الجن کوشش کرتے تھے کہ کسی طرح اندر گھس کر ملأ اعلیٰ کی باتیں سنیں۔ لیکن ان پر شہاب ثاقب کی مار پڑتی تھی جس سے وہ خائب و خاسر رہ جاتے تھے۔ اب شیاطین الانس کو اس کی دھن لگی ہوئی ہے کہ راکٹ وغیرہ کے ذریعہ رسائی حاصل کریں معلوم ان پر کیا گزرے گی؟

فلاسفہ کے اقوال فلاسفہ کی تحقیقات جس کا درجہ توہمات سے بڑھ کر نہیں، یہ ہے کہ آسمان میں بارہ برج ہیں۔ حمل، ثور، جوزا، وغیرہ، اور اسی بنا پر سال کے بارہ مہینے قرار دئے ہیں۔ خیال یہ ہے کہ آفتاب ہر مہینہ ایک ایک برج میں رہتا ہے یہ تقسیم شمسی سال کے اعتبار سے ہے۔ اور قمری سال کے لحاظ سے چاند کے اٹھائیس منازل قرار دئے گئے ہیں۔ بعضوں نے ان مشہور اقوال کی بنا پر ذات البروج سے یہی برج اور منازل مراد لئے ہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر محض ایسے توہمات کے پیش نظر صحیح نہ ہوگی۔ درحالیکہ متاخرین فلاسفہ کے نزدیک یہ تحقیقات مسلم نہیں۔ احادیث شریفہ، آثار صحابہ وتابعین اور ائمہ کے اقوال پر تفسیر کی بنیاد ہے۔ یا یہ کہ خود قرآن کریم کی کسی دوسری آیت سے مستفاد ہو، یا محاورۂ عرب سے ماخوذ ہو۔

والسماء ذات البروج کی تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔ البروج قصور فی السماء۔ (ابن جریر) بروج سے عالی شان محلات مراد ہیں جو آسمان میں بنے ہوئے ہیں" حضرت ابو صالح رح فرماتے ہیں:۔ النجوم العظام۔ (عبدبن حمید، ابن المنذر) بروج سے بڑے بڑے ستارے مراد ہیں" اس کی تائید حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس آیۂ کریمہ والسماء ذات البروج کی تفسیر دریافت کی گئی۔ ارشاد ہوا:۔ الکواکب۔ بروج سے ستارے

مراد ہیں۔" پھر اس آیہ کریمہ کی تفسیر دریافت کی گئی:۔ تبارك الذی جعل فی السماء بروجا۔ برکت والی ہے وہ ذات جس نے آسمان میں بروج بنائے۔" یہاں بروج سے کیا مراد ہے؟ تب بھی آپ نے یہی فرمایا:۔ الکواکب۔ یہاں بھی ستارے ہی مراد ہیں۔" پھر عرض کیا گیا:۔ فی بروج مشیدۃ سے کیا مراد ہے؟ تو ارشاد ہوا:۔ قصور۔ (ابن مردویہ) یہاں عالی شان محل مراد ہے۔" حضرت عطیہ عوفی نے فرمایا:۔ القصور فیھا الحرس (مظہری) بروج سے محلات عالیات مراد ہیں جہاں پہرہ دار حفاظت کے لئے متعین رہتے ہیں۔"

آسمانی مکانات کا ثبوت معراج کے بیان میں صحیحین کے حوالہ سے جو احادیث شریفہ وارد ہوئی ہیں ان میں صراحت موجود ہے:۔ ثم رفع الی البیت المعمور۔ پھر ساتویں آسمان میں آپؐ کو بیت المعمور کی طرف اٹھایا گیا۔" اور اس کی تفسیر آیہ کریمہ والبیت المعمور۔ والسقف المرفوع کے سلسلے میں بھی بیان کی جا چکی ہے جس سے ثابت ہے کہ آسمان پر مکانات ہیں۔ جن کے منجملہ بیت المعمور بھی ہے۔ جو ایک عالیشان مکان ہے جس کا ستر ہزار فرشتے روزانہ طواف کیا کرتے ہیں۔ پھر جن فرشتوں نے ایک دفعہ طواف کر لیا قیامت تک دوبارہ ان کے طواف کرنے کی نوبت نہیں آتی۔ دوسرے دن دوسرے ہی فرشتے آتے ہیں۔ کعبۃ اللہ شریف، بیت المعمور ہی کے محاذ پر تعمیر

پایا ہے۔"

مستقر ارواح مومنین حضرت وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں:۔ ان للّٰہ فی السماء السابعۃ دارا یقال لھا البیضاء یجتمع فیھا ارواح المومنین۔ (مظہری) اللہ سبحانہ نے ساتویں آسمان میں ایک گھر بنایا ہے جس کا نام بیضاء ہے۔ (نہایت سفید صاف شفاف) جس میں تمام مومنین کی روحیں اکٹھی ہوتی ہیں۔" ارواح مومنین کا یہ مستقر بیت المعمور کے سوا ہے۔ اسی طرح اور کتنے عالی شان مکانات ہیں اور وہ کس لئے بنائے گئے ہیں اس سے اللہ سبحانہ ہی بہتر علیم ہے۔ بندوں کا علم اسی حد تک محدود ہے جس کا ان کو علم کرایا گیا۔ ارشاد باری ہے:۔ وما اوتیتم من العلم الا قلیلا "تم کو جو علم دیا گیا ہے وہ تھوڑا سا ہی ہے۔" بہرحال ان آسمانی برجوں کی قسم کھائی جا رہی ہے اور ان کو بطور گواہ پیش کیا جا رہا ہے۔

والیوم الموعود کی تفسیر وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ۔ اور قسم ہے اس دن کی جس کا وعدہ دیا گیا ہے۔" کہ مقررہ دن اپنے وقت پر اس کی پوری شان کے ساتھ آنے والا ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں:۔ والیوم الموعود قال یوم القیامۃ۔ (عبدالرزاق، عبد بن حمید) والیوم الموعود یعنی وہ دن جس کے آنے کا وعدہ دیا گیا ہے وہ قیامت کا دن ہے۔[۱] حضرت سیدنا علی، [۲] حضرت ابوہریرہ، [۳] حضرت ابن عباس، [۴] حضرت حسن بصری رضوان اللہ علیہم اجمعین

سے بھی یہی مروی ہے۔ یہ وہی دن ہے جس کے باب میں کفار بار بار پوچھتے تھے۔ متٰی هذا الوعد۔ یہ وعدہ (کا دن) کب آئیگا" اور جب وہ دن آجائیگا تو ان سے کہا جائیگا:۔ هذا یومکم الذی کنتم توعدون۔ یہ وہی دن ہے جس کا تم سے وعدہ دیا جاتا رہا یا جس سے تم کو ڈرایا جا رہا تھا۔" بہرحال یوم موعود سے روز قیامت مراد ہونا متفق علیہ ہے۔

شاھد ومشھود کی تفسیر وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ۔ اور قسم ہے اس کی جو حاضر ہوتا ہے اور اس کی جس کے پاس حاضر ہوتے ہیں" اس کی تفسیر میں اقوال ہیں۔ اکثر مفسرین کرامؒ نے شاھد ومشھود سے بھی دن ہی مراد لئے ہیں۔ یعنی وہ دن جو حاضر ہوتا ہے اور وہ دن جس کے پاس حاضر ہوتے ہیں ان دونوں کی قسم ہے۔ یا یہ کہ یہ دو دن بھی گواہ ہیں اس واقعہ کے جو آگے بیان کیا جا رہا ہے۔ اور ہم نے اسی قول کے پیش نظر اس آیہ کریمہ کا ترجمہ کیا ہے۔ چنانچہ حضرت سعید بن المسیبؒ تابعی فرماتے ہیں کہ حضرت شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ ان سید الایام یوم الجمعۃ وھو الشاھد والمشھود یوم عرفۃ۔ (سعید بن منصور، ابن جریر، عبد بن حمید، ابن مردویہ) یقیناً تمام دنوں کا سردار جمعہ کا دن ہے اور یہی وہ دن ہے جو ہر جگہ حاضر ہوتا ہے۔ اور مشھود یعنی وہ دن جس کے پاس حاضر ہوتے ہیں وہ عرفہ کا دن ہے" یعنی یوم الحج جس میں تمام روئے زمین کے

باشندے کشاں کشاں میدان عرفات پر حاضری دیتے ہیں"۔ اسی مضمون کی روایات سیدنا علی مرتضیٰ حضرت ابو مالک اشعری حضرت جبیر بن مطعم حضرت ابن عباس رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی مروی ہیں، جو مختلف کتب احادیث شریفہ میں منقول ہیں۔

شاھد ومشھود کی دوسری تفسیر ۲۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ اکثروا علیّ من الصلاۃ یوم الجمعۃ فانہ یوم مشھود تشھدہ الملائکۃ۔ (ابن جریر) جمعہ کے دن مجھ پر درود شریف بکثرت پڑھا کرو کیونکہ یہ یوم مشہود ہے جس میں ملائکہ کرام حاضری دیتے ہیں"۔ جب وہ مشاہدہ کریں گے کہ امۃ مرحومہ بکثرت درود شریف میں مشغول ہے تو وہ اللہ سبحانہ کے دربار میں اس کی گواہی دیں گے۔ اور یہی درود شریف امۃ مرحومہ کی نجات وکامیابی کا سامان ہوگا اس روایت سے معلوم ہوا کہ شاھد سے مراد ملائکہ کرام اور مشہود سے روز جمعہ مراد ہے۔

شاھد ومشھود کی تیسری تفسیر ۳۔ ایک شخص نے حضرت شہید مسموم سیدنا حسن مجتبیٰ بن سیدنا علی المرتضیٰ سے وشاھد ومشھود کی تفسیر دریافت کی۔ آپ نے فرمایا اس کی تفسیر مجھ سے پیشتر بھی کسی سے دریافت کی؟ اس نے عرض کیا۔ ہاں حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن زبیرؓ سے دریافت کیا تھا انھوں نے فرمایا:۔ یوم الذبح ویوم الجمعۃ۔ نفع حاصل ہونے کا دن اور جمعہ کا دن مراد ہے۔ اس پر آپ نے

فرمایا:۔ لا ولکن الشاھد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ثم قرأ انا ارسلناك شاھدا ومبشرا وجئنا بك علی ھؤلاء شھیدا والمشھود یوم القیامة وتلا ذلك یوم مجموع لہ الناس وذلك یوم مشھود ۔ (ابن جریر، ابن مردویہ)

شاھد سے جمعہ کا دن مراد نہیں بلکہ ذات گرامی حضور اکرم سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہے پھر استدلال میں آپ نے یہ آیات کریمہ پڑھیں جن کا ترجمہ یہ ہے کہ اے نبی کریم! ہم نے آپ کو شاہد یعنی تمام امتہ مرحومہ کا گواہ اور مطیعوں کیلئے جنت کی خوشخبری سنانے والا بنا کر بھیجا ہے" اور قیامت میں ان سب کے لئے آپ کو گواہ بنا کر اٹھائیں گے" اور مشھود سے روز قیامت مراد ہے پھر آپ نے یہ آیہ کریمہ تلاوت فرمائی کہ وہ (قیامت کا دن) ایسا دن ہے جس میں سب لوگ اکٹھا ہو کر آئیں گے اور وہ ایسا دن ہے کہ جس میں وہ سب حاضر کئے جائیں گے" اور ایسی ہی تفسیر حضرت ابن عباس رضؓ اور حضرت عکرمہؓ سے بھی مروی ہے۔

قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِۙ النَّارِ ذَاتِ الۡوَقُوۡدِۙ اِذۡ هُمۡ 85-4 85-5 85-6

۸۵ (۱-۲-۳-۴)

عہ الخد والاخدود شق فی الارض مستطیل غائص وجمع الاخدود الاخادید
واصل ذلك من خدی الانسان وھما ما اکتنفا الانف عن الیمین والشمال

85-7

عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۙ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ۙ ہلاک کیے

گئے خندق والے (جس میں) آگ (تھی) بہت ایندھن والی جب وہ اس پر بیٹھے ہوئے

اہل ایمان کے ساتھ جو کچھ کر رہے تھے اس کو دیکھ رہے تھے۔"

اصحاب الاخدود کا واقعہ یہ اصحاب الاخدود یعنی خندق والے کون تھے؟

اس میں اختلاف ہے۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ حبشی لوگ تھے۔ کسی نے نبطی قوم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

والخدّ یستعار للارض ولغیرھا کاستعارۃ الوجہ وتخدّد اللحم زوالہ عن وجہ الجسم یقال خدّدتہ فتخدّد (مفردات) زمین کی لمبی مستطیل گہری نالی کو خدّ اور اخدود کہتے ہیں اس کی جمع اخادید ہے۔ اصل میں یہ لفظ انسان کے خدّ یعنی رخسار سے لیا گیا ہے جو ناک کے داہنے بائیں حصے کو کہتے ہیں۔ کبھی خدّ کا لفظ استعارہ کے طور پر زمین وغیرہ پر بھی بولا جاتا ہے۔ جیسا کہ وجہ یعنی چہرے کا لفظ زمین وغیرہ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے (چنانچہ کہتے ہیں:۔ روئے زمین۔ اس سے سطح زمین مراد ہوتی ہے۔) بدن سے گوشت گھٹ جائے تو کہتے ہیں تخدّد اللحم۔ یہ محاورہ بھی ہے:۔ خدّدتہ فتخدّد۔ میں نے اس کو چھانٹ دیا تو وہ چھٹ گیا۔" یعنی دبلا اور لاغر ہو گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ قتل اصحاب الاخدود سے مراد یہ ہے کہ خندق والے ہلاک و برباد کر دیئے گئے۔" واللہ اعلم۔

بتلایا ہے۔ کوئی کہتے ہیں کہ یہ بنی اسرائیل سے تھے۔ حضرت صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ حضور سید الثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصحاب الاخدود کا واقعہ بیان فرمایا یہ ایک طویل حدیث ہے جس کی عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، مسلم، نسائی، اور ترمذی نے روایت کی ہے اس کا خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ کسی بادشاہ کا ایک کاہن تھا جو اپنی کہانت سے پیشین گوئیاں کیا کرتا۔ ایک دن اس نے بادشاہ سے فرمائش کی کہ مجھے ایک ذہین سمجھدار لڑکا دیا جائے تاکہ اس کو اپنا فن سکھا دوں اب میں بوڑھا ہو چلا ہوں ایسا نہ ہو کہ میں چل بسوں اور کوئی اس فن کا جاننے والا نہ رہے۔ بادشاہ نے ایک لڑکا بھیجدیا۔ جو روزانہ کاہن کے پاس جایا کرتا۔ راستہ میں ایک خدا ترس دیندار راہب رہتا تھا۔ یہ لڑکا اس کے پاس بھی جا بیٹھتا اور بسا اوقات کاہن کے پاس جانے میں اس کو دیر ہو جاتی۔ شدہ شدہ لڑکے نے راہب کا دین اختیار کر لیا۔ (یہاں تک کہ اس لڑکے سے خوارق عادات صادر ہونے لگے۔) چنانچہ ایک دفعہ راستہ میں کسی خوفناک درندہ سے سابقہ پڑا جو راستہ روکا ہوا تھا لوگ پریشان تھے۔ لڑکے نے ایک پتھر اٹھا کر دعا کی کہ الٰہی! اگر اس راہب کا دین سچا ہے تو اس پتھر سے درندے کو ہلاک کر دیجیو۔ یہ کہہ کر پتھر پھینکا۔ خدا کی قدرت کہ وہ درندہ ہلاک ہو گیا۔ اب لوگوں میں چرچا ہونے لگا کہ یہ لڑکا ایسا علم رکھتا ہے

جس سے کوئی واقف نہیں۔ یہ سن کر ایک نابینا اس کے پاس رجوع ہوا کہ اگر میری
آنکھیں بینا ہو جائیں تو میں اتنا نذرانہ گزرانوں۔ لڑکے نے کہا کہ نذرانہ کی حاجت نہیں
بینا بنانے والا میں نہیں بلکہ اللہ ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ اگر تو بینا ہو جائے تو اس
وحدہ لاشریک پر ایمان لائیگا؟ اس نے کہا ضرور۔ چنانچہ لڑکے نے دعا کی اور وہ بینا
ہو گیا اور اسلام قبول کر لیا اب لوگوں میں دھوم مچ گئی اور بادشاہ تک خبر پہنچی۔
یہ سنکر وہ بہت برافروختہ ہوا اور اس نابینا اور راہب میں سے ایک پر آرا چلا کر
اور دوسرے کو دوسرے طریقہ سے قتل کر دیا اور لڑکے کی نسبت حکم دیا کہ اس کو ایک
اونچے پہاڑ پر سے گرا کر ہلاک کر دیا جائے (تاکہ بادشاہ کے دین کے خلاف کوئی دین
اختیار کرنے والوں کو عبرت ہو۔) مگر اللہ سبحانہ کی قدرت کہ جو لوگ اس کو لے گئے
وہی پہاڑ پر سے گر کر ہلاک ہوئے اور لڑکا صحیح سالم واپس آیا۔ یہ دیکھ کر بادشاہ اور بھی
برافروختہ ہوا اور حکم دیا کہ اس کو دریا میں غرق کر دیا جائے۔ اس دفعہ بھی یہی ہوا کہ
غرق کرنے والے اللہ سبحانہ کے حکم سے خود ڈوب گئے۔ اور لڑکا بچ گیا۔ لڑکے نے دیکھا کہ
مجھ ایک کی وجہ سے غریبوں کی یوں ہی جانیں جا رہی ہیں، بادشاہ سے کہا کہ تو میرے
مارنے پر قادر نہیں۔ مجمع عام میں مجھے سولی دی جائے اور بسم اللہ رب الغلام
کہہ کر مجھ پر تیر چلائے جائیں۔ یعنی اللہ کے نام سے جو اس لڑکے کا رب ہے۔" چنانچہ

ایسا ہی کیا گیا اور لڑکا اللہ سبحانہ کے نام پر قربان ہوگیا۔ اس واقعہ کا عوام پر یہ اثر ہوا کہ سب کے سب مسلمان ہوگئے۔ اس سے بادشاہ بہت برافروختہ ہوا اور آپے سے باہر ہوکر حکم دیا کہ ایک خندق تیار کی جائے اور اس میں آگ دہکا کر ان سب مسلمانوں کو اس میں جھونک دیا جائے۔

اصحاب الاخدود کی شقاوت ان آیات کریمہ میں اسی واقعہ کی طرف ایما فرمایا جا رہا ہے کہ خندق والے (دوسروں کو ہلاک کرکے) خود ہی تباہ و برباد ہوئے جب کہ وہ خندق کے دونوں کناروں پہ بیٹھے ہوئے مسلمانوں پر مظالم ڈھا رہے اور اس کا بڑے مزے کے ساتھ نظارہ کر رہے تھے۔ اسی مذکورہ روایت میں ہے کہ اس مجمع مسلمانان میں ایک مسلمان عورت بھی تھی جس کی گودی میں شیر خوار بچہ تھا۔ جب اس کی باری آئی تو معصوم بچہ کی خاطر وہ گھبرا گئی۔ حکم الٰہی سے بچہ یوں گویا ہوا:۔ اماہ اصبری فانك علی الحق "اماں جان! آپ صبر کیجیو کیونکہ آپ تو حق پر ہیں" اس عورت کو بھی شیر خوار بچے سمیت خندق میں جھونک دیا گیا مگر ان ظالموں کو ذرا ترس نہ آیا۔ مگر آفریں ان جانبازان حق پر کہ ان کو آرے سے چیر دیا گیا، آگ میں جھونکا گیا مگر ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آسکی۔ ایسی وحشیانہ سزائیں قبول کیں مگر راہ حق سے منہ نہ موڑا رحمۃ اللہ علیہم رحمۃ واسعۃ۔

اصحاب الاخدود کے قصہ سے عبرت

اس واقعہ کے ذکر کا منشا یہی ہے کہ راہ حق کے اختیار کرنے میں بعض دفعہ سخت سے سخت تر امتحانات کا سامنا ہوتا ہے۔ یہ امتحانات محض وقتی اور عارضی ہیں۔ مومن کا کام ہے کہ ایسی حالت میں بھی حق پر ثابت قدم رہے۔ وقت آتا ہے اور نکل جاتا ہے مگر بات رہ جاتی ہے اگر ناحق عبرتناک سزا دی جا رہی ہے تو اہل حق کو چاہیئے کہ وہ بھی اپنی بہترین یادگار مثال چھوڑ جائیں جس کو زمانہ کبھی بھی نہ بھلا سکے۔ اور قیامت تک ان کی یاد تازہ رہے ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَن يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ۝ 85-8

الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝ 85-9 اور

نہیں بدلا لینے تھے ان سے مگر اسی بات کا کہ وہ یقین کر رہے ہیں اللہ کا جو زبردست ہے تعریف والا جس کی پادشاہت ہے آسمانوں اور زمین میں اور اللہ کے سامنے ہے ہر چیز۔"

اصحاب الاخدود کی اسلام دشمنی

یعنی ان بیچاروں کو ایسی عبرتناک اور وحشتناک سزائیں محض اس بنا پر دی جا رہی تھیں کہ ان کا ایمان خدائے واحد ہے جس کا حکم سب پر غالب ہے جس کی عزت سب سے اعلیٰ و ارفع اور جس کی ذات

جامع صفات کمالیہ ہے جس کی بادشاہت تمام آسمانوں اور پوری زمین پر قائم ہے اور ہر چیز اس کے سامنے ہے۔ کوئی چیز اس سے چھپی ہوئی نہیں۔ ایسی ذات ستودہ صفات پر ایمان لانا، ان ظالموں کی نظر میں اتنا بڑا جرم تھا کہ ان کے لئے ایسی سزائیں تجویز کی گئیں کیا کوئی خیال کر سکتا ہے کہ اللہ سبحانہ سے جب کوئی چیز چھپ نہیں سکتی اور ہر چیز اس کی نظر کے سامنے ہے تو ایسا دردناک منظر کب پوشیدہ ہوگا۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ لکھتے ہیں :۔ جب اللہ کا غضب آیا تو وہی آگ پھیل پڑی۔ بادشاہ اور امیروں کے گھر سارے پھونک دئے " یہ استنباط غالباً اس بنا پر فرمایا کہ اس لڑکے کو پہاڑ پر سے ڈھکیل دینے والے خود ڈھکیل دئے گئے اور غرق کرنے والے خود ہی غرقاب ہوگئے تھے تو اس سلسلہ میں آخری سزا جو مسلمانوں کو آگ کی خندق میں جھونک دینے کی دی گئی تھی ان کا حشر بھی یہی ہونا چاہئے۔ نیز قُتِلَ اَصْحَابُ الْاُخْدُوْدِ جو کلام باری میں بصیغۂ ماضی وارد ہوا ہے اس کا اقتضا بھی یہی ہے کہ دنیا میں بھی ان کو سزا ملی وہی جو دوسروں کو دی جا رہی تھی۔ کلام باری میں قُتِلَ کے معنی بددعا کے تو نہیں لئے جا سکتے بلکہ ماضی کے معنی ہی ٹھیک صادق ہیں اسی لئے ہم نے ترجمہ بھی یہی کیا ہے :۔ خندق والے ہلاک کئے گئے " نیز آگے کی آیہ کریمہ میں عذاب جہنم کے ساتھ عذاب الحریق کی صراحت بھی آرہی ہے۔ نیز حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ آگ پھیل گئی اور بادشاہ

جس کا نام ذونواس تھا گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگنے لگا تو دریا میں ڈوب گیا۔" اور جو بھاگ نہ سکے وہ جل مرے ہوں گے۔ واللہ اعلم

ایک نکتہ الّا ان یومنوا جو بصیغہ مضارع آیا ہے اور آمنوا بصیغہ ماضی نہیں فرمایا گیا اس میں نکتہ یہ ہے کہ اگر یہ لوگ بادشاہ کے جبر سے اس کا دین قبول کر لیتے تو ان کو یہ سزا نہ ملتی ماضی سے درگزر کیا جاتا۔ مگر ان لوگوں نے اس کا دین قبول نہ کیا بلکہ خدائے واحد کے ایمان پر برقرار رہے یعنی آئندہ بھی وہ ایمان پر قائم رہنے کا عزم کئے ہوئے تھے اس لئے یہ سزا ان کو دی گئی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِیْقِ ۝ (۸۵-۱۰) تحقیق جن لوگوں نے مبتلا کیا ایمان والوں اور ایمان والیوں کو پھر توبہ نہ کی تو ان کے لئے عذاب ہے دوزخ کا اور ان کے لئے عذاب ہے جلنے کا۔"

مسلم آزاری کی سزا یعنی جن لوگوں نے ایمان لائے ہوئے مردوں اور ایمان لائی ہوئی عورتوں کو دین حق سے پھیر دینے کے لئے سخت سے سخت محنتوں اور مصیبتوں میں مبتلا کیا پھر اپنے اس کرتوت سے توبہ نہ کی ان سے دو جرم صادر ہوئے۔ ایک یہ کہ وہ خود صراط مستقیم سے دور رہے۔ دوسرا یہ کہ جو لوگ صراط مستقیم پر قائم رہے ان کو

مبتلائے عذاب کیا لہذا ان کو سزا بھی دوہری مقرر ہے ۔ ہر جرم کی جدا جدا ۔ یہ دونوں سزائیں خواہ آخرت میں ہوں یا ایک دنیا میں اور ایک آخرت میں ۔ کیونکہ ایسا کرنیوالا اگر کافر تھا اور کفر سے باز آگیا تو وہ دائمی سزا سے بچ جائیگا ورنہ دائمی عذاب میں گرفتار رہیگا ۔ اور اس کے علاوہ دنیا میں بھی اس کو سزا دیجا سکتی ہے ۔ جیسا کہ ذو نواس کے ساتھ ہوا ۔ اور اگر کوئی ظالم مسلمان اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ ظالمانہ سلوک کرے پھر اس سے توبہ کرلے تو اس کی توبہ قبول ہوسکتی ہے ۔ اور اگر بلا توبہ مرجائے تو اس کا معاملہ مشیت الٰہی پر موقوف ہوگا ۔ اللہ سبحانہ چاہے تو اس سے درگذر فرمائے یا اس کو سزا دینا چاہے تو بقدر گناہ سزا دے سکتا ہے لیکن وہ دائمی عذاب میں گرفتار نہ ہوگا ۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کو دنیا میں سزا دیکر عذاب آخرت سے بچا لیا جائے ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ 85-1

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ؕ بے شک جو لوگ ایمان

لائے اور نیک عمل کئے ان کے لئے باغ ہیں بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں وہی ہے

بڑی کامیابی ۔

(البروج ۸۵ : ۱۱)

لھم جنّات کی تفسیر	اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا ...

ارشاد سے بظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ فتنہ میں ڈالنے والوں کا حال بیان فرمانے کے بعد فتنہ میں مبتلا کئے جانے والوں کی شان بیان فرمائی جارہی ہے کیونکہ ظاہر سیاق سے یہی معلوم ہوتا ہے لیکن مسلمہ اصول ہے :۔ العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص السبب عموم لفظ کا اعتبار ہوتا ہے سبب خاص کا اعتبار نہیں " لہذا یہاں تمام ایمان والے صالحین مراد ہوں گے خواہ وہ فتنہ میں مبتلا کئے گئے ہوں یا اس کی نوبت کسی کے ساتھ نہ آئی ہو جو کوئی بھی ایمان اور عمل صالح کی صفت سے موصوف ہوں ان کو بشارت دی جارہی ہے کہ ان کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہونگی ۔ کیونکہ خدائے واحد پر ایمان لانا ہی کافروں کی نظر میں بہت بڑا جرم ہے ۔ اگر کوئی اللہ سبحانہ پر ایمان لایا تو ان کافروں کے نزدیک سخت سے سخت سزا کا مستوجب قرار پایا ۔ یہ اور بات ہے کہ اس کا انتقام لینے کی فرصت ان کو نہ ملی ہو ۔ یہ دنیا کا حال تھا دنیا دو روزہ ہے یہ ختم ہو ہی جائیگی ۔ مومن کو تعلیم دی گئی ہے کہ اس کی نظر اس دنیائے فانی تک محدود نہ رہے انسان کی زندگی صرف دنیا تک ختم نہ ہوگی ۔ اس کے بعد آخرت کی زندگی بھی ہے جس کی کوئی انتہا نہیں مومن جو کچھ کرتا ہے وہ آخرت کے لئے کرتا ہے اور وہاں اس کو ایسے باغات ملیں گے جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہونگی تو وہ باغات ہمیشہ سرسبز و شاداب اور سدا بہار رہیں گے ۔ جس کو دو روزہ دنیا کے عوض

ایسے سدا بہار باغات ملیں جو ہر طرح کی نعمتوں سے مالا مال ہوں اور اس کے ساتھ دیدار الٰہی جیسی نعمت عظمیٰ بھی نصیب ہو تو اس سے بڑھ کر اور کونسی کامیابی ہو سکتی ہے؟ اسی لئے ارشاد ہو رہا ہے :۔ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ۔ اور وہ آخرت کی کامیابی سب سے بڑھ کر کامیابی ہے "

إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ۝ إِنَّهُ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيدُ ۝ 85-12 85-13

وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ۝ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ ۝ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ۝ 85-14 85-15 85-16

بے شک آپ کے پروردگار کی پکڑ بڑی سخت ہے ' بے شک وہی پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے اور دوبارہ بھی وہی پیدا کریگا ' اور وہی ہے بخشنے والا محبت کرنے والا ' مالک عرش کا بڑی شان والا ' کرگزرنے والا جو چاہے "

ذونواس کا انجام ذونواس پادشاہ اہل ایمان کو آگ کی خندقوں میں جھونکتا رہا۔ اس کو کیا خبر کہ اس پر بھی ایک زبردست پادشاہت ' اے نبی کریم! آپ کے پروردگار کی قائم ہے۔ ذونواس اور اس کا دربار خندقوں پر کرسیاں بچھائے ہوئے اہل ایمان کو سخت سے سخت سزائیں جو دیجا رہی تھیں اس کا تماشا دیکھ رہے تھے اور ادھر آپ کا رب کریم اور اس کے ملائکہ کرام ان ظالموں کے کرتوت کا مشاہدہ کرتے اور ان کے ایک ایک عمل کا پورا پورا نقشہ اور اس کی تصویر لیتے جاتے تھے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ جب وہ تمام اہلِ ایمان کو اس طرح کے فتنے اور عذاب میں ڈال کر فارغ ہوئے اور گھر جانا چاہا تو یکایک وہ آگ پھیلی اور ان تماموں کو آن کی آن میں جھلس دیا بادشاہ گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگ جانا چاہا تو بدحواسی کے عالم میں دریا برد ہو گیا۔ ؎

دیدی کہ خونِ ناحق پروانہ شمع را   چنداں اماں نداد کہ شب را سحر کند

بطشِ ربک کی تفسیر ارشاد ہو رہا ہے کہ اے ہمارے حبیب! اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ۔ بے شک آپ کے پروردگار کی گرفت (دوسروں کی پکڑ کے مقابلہ میں) ضرور سخت تر ہے" کہ اس سے کسی کا چھوٹنا ہی محال ہے۔ بطش کے معنی ہیں:— تناول الشیٔ بصولۃ و الاخذ بعنف۔ کسی چیز پر حملہ کر کے اس کو گرفت میں لانا اور سختی کے ساتھ اس کو پکڑنا" پھر اس کے ساتھ لشدید کا استعمال اس امر کی طرف ایما کر رہا ہے کہ جابروں اور ظالموں کے لئے از بس مشکل اور دشوار ہے کہ وہ کبھی نہیں چھوٹ سکتے۔ اگر کبھی کسی کو ڈھیل دی گئی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ یہ کسی عجز کی وجہ سے ہے بلکہ اس میں کوئی نہ کوئی حکمت پوشیدہ ہے۔ جو ہماری دریافت سے باہر ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہو رہا ہے:—

مبدئ و معید کی تفسیر اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ۔ بے شک وہی

[illegible]

فرق یہ ہے کہ ابداء یعنی ابتدائے آفرینش بغیر کسی مثال اور نمونے کے ہوئی تھی۔ اور اعادہ یہ ہے کہ کسی چیز کو پہلے کی طرح اُسی نمونے اور مثال کے مطابق پیدا کرنا۔ جو ذات قدسی صفات، بغیر نمونے اور مثال کے پیدا کرنے پر قادر ہے تو اعادہ اس کے لئے کیا مشکل ہے؟ مگر منکرین کو یہ بات اب تک سمجھ میں نہیں آئی۔ قیامت کا انکار کئے جارہے ہیں۔ آغاز ہوا تھا امتحان کے لئے۔ اور اعادہ ہوگا اس کی جزا دینے کے لئے۔ اللہ سبحانہ کی طرف سے دنیا میں امتحان لیا جارہا تھا اور آخرت میں اس کی جزا ملیگی۔ اگر امتحان لیا جائے اور اس کا کچھ نتیجہ نہ نکلے تو امتحان ہی عبث اور بے فائدہ ہوا مگر اللہ سبحانہ کا کوئی کام عبث نہیں ہوسکتا۔ اسی ضمن میں یہ بھی بتلایا جارہا ہے کہ نہ ذونواس پادشاہ ہی رہا اور نہ اس کی رعایا۔ لیکن ایک دن ایسا آرہا ہے کہ ہر دو فریق آموجود ہوں گے۔ اور ہر ایک کو ان کے اعمال کی جزا ملیگی۔ دنیا کی آگ میں اہل ایمان کو جھونک دیا گیا تھا اب آخرت کی آگ میں ظالموں کو جھونکا جائے گا ظالم کی گرفت سے اہل ایمان بچ نہ سکے تھے اب قادر و مقتدر کی گرفت سے یہ ظالم کب بچ سکتے ہیں؟ ظالموں کو دنیا میں بھی بعض وقت ظلم کی سزا مل جاتی ہے لیکن ظالم جو کافر ہو اس کی سزا دنیا میں ختم نہیں ہوجاتی۔ آخرت کی ابدالآباد سزا اس کے لئے تیار ہے۔ صرف وقت کا انتظار ہے۔

ظالموں کی سزا حضرت حذیفہ بن الیمانؓ فرماتے ہیں :۔ اسر الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیثا فی النار فقال یا حذیفۃ ان فی جھنم لسباعا من نار وکلابا من نار وسیوفا من نار وکلا لیب من نار وانہ یبعث ملائکۃ یعلقون اھل النار بتلک الکلالیب باحنا کھم ویقطعونھم بتلک السیوف عضوا عضوا ویلقونھا الی تلک السباع والکلاب کلما قطعوا عضوا عضوا عاد آخر مکانہ غضا طریا۔ (روح البیان) حضرت رسول دوجہاں علیہ صلوات الرحمٰن نے مجھ سے دوزخ کی حدیث چپکے چپکے بیان فرمائی۔ یوں فرمایا کہ حذیفہ! یقین جانو کہ دوزخ میں آگ سے بنے ہوئے درندے ہیں اور آگ کے کتے ہیں۔ آگ کی تلواریں ہیں اور آگ کی اکوڑیاں ہیں۔ وہاں فرشتوں کو بھیجا جائیگا تاکہ دوزخیوں کو ان کی تارکوں سے ان اکوڑیوں پر لٹکادیں پھر وہ فرشتے ان تلواروں سے ان کا ایک ایک عضو کاٹتے اور ان درندوں اور کتوں کے آگے ڈالتے جائیں گے۔ دوزخیوں کے اعضا جیسے جیسے کٹتے جائیں گے ان کی جگہ دوسرے نئے اعضاء تروتازہ بحال ہوتے جائیں گے۔" بس یہی سزا ان ظالموں کو ابدالآباد دیجاتی رہیگی۔ اعاذنا اللہ منہا۔

تفسیر حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا:۔ ان اھل جھنم

تاکلھم النار حتّی یصیروا فیھا فحما ثم یعیدھم خلقا جدیدا۔ دوزخیوں کو آگ بھسم کرتی جائیگی تا آنکہ وہ جل کر کوئلہ بن جائیں گے پھر ان کو از سرِ نو وجود بخشا جائیگا"۔ آیۂ کریمہ اِنَّہٗ ھُوَ یُبۡدِئُ وَیُعِیۡدُ کی یہی تفسیر ہے۔ یہ تفسیر ظالموں کے عذاب سے متعلق تھی۔ رہے مظلوم جن کو دنیا میں ناحق مبتلائے عذاب کیا گیا اور زبردستی ان کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا گیا تھا ہی سے سمجھ لینا چاہیئے کہ ان کو بھی دوبارہ وجود بخشا جائیگا اور ان کو ان نعمتوں سے سرفراز کیا جائیگا جس کے وہ مستحق ہیں۔ اس طرح مظلوموں کو گویا تسلی دیجا رہی ہے کہ تم اس ظلم سے گھبراؤ نہیں۔ ظالم کے ختم کر دینے سے تم ختم نہیں ہو سکتے۔ تم تو شہداء فی سبیل اللہ ہو تمھارے لئے حیاتِ جاوید لکھدی گئی ہے ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

امام قشیریؒ فرماتے ہیں:- ان اللہ تعالی یبدی فضلہ واحسانہ لعبیدہ ثم یعیدہ ویکررہ فان الرب الکریم من یربی صنائعہ یقین جانو کہ اللہ سبحانہ تعالی اپنے بندگان خاص کے لئے اپنے فضل و احسان کا آغاز فرماتا ہے پھر اس کے اعادہ و تکرار کا سلسلہ جاری رکھتا ہے کیونکہ رب کریم کی شان ہی یہ ہے کہ وہ اپنے مصنوعات کی تربیت میں مشغول رہے"۔ ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زماں از غیب جانے دیگر است

المبدئ المعید کے خواص | تفسیر روح البیان میں ہے :۔ باری تعالیٰ شانہ کے اسمائے حسنیٰ میں المبدئ المعید یہ دو نام بھی شامل ہیں از انجملہ المُبدِئ کے خواص میں یہ بھی ہے کہ اگر اس کو بوقت سحر (۲۹) انتیس دفعہ پڑھ کر حاملہ کے پیٹ پر دم کیا جائے تو حمل برقرار رہیگا۔ اسقاط کا اندیشہ ان شاء اللہ نہ رہیگا۔ چاہیے کہ یہ عمل خود اس کا شوہر یا باپ بھائی وغیرہ محارم ہی کریں۔ اور اَلْمُعِیْدُ کے خواص میں ہے کہ کوئی محفوظ کی ہوئی چیز دستیاب نہیں ہو رہی ہو اور اس کا مقام فراموش ہو گیا ہو تو بار بار اس اسم مبارک کو پڑھتے جائیں بلکہ المبدئ المعید یہ دونوں نام کا ورد کیا جائے تو ان شاء اللہ وہ چیز مل جائے گی۔

الغفور الودود کی تفسیر | وَھُوَ الْغَفُوْرُ الْوُدُوْدُ۔ اور وہی بخشنے والا محبت کرنیوالا ہے "کسی نے تمام عمر کفر کیا پھر اس کے بعد کفر سے توبہ کی۔ اور مسلمان ہو گیا اس کی عمر بھر کا کفر دور ہو گیا۔ اس کی باز پرس سے آزادی مل گئی۔ یا بندۂ مومن گناہوں کا ارتکاب کرتا رہا پھر توبہ کر لی۔ اس کے تمام گناہ بخش دیئے گئے۔ بلکہ اس کی غفوریت کی شان یہ ہے کہ وہ چاہے تو عاصی کے توبہ نہ کرنے کی صورت میں بھی اس کو بخش دے۔ خدائے غفور جس کی یہ شان عالی ہے وہ تو اس قابل ہے کہ ہر آن و ہر لحظہ اس پر صدقے ہوتے رہیں اور ہر وقت اس پر قربان ہونے کے لئے دل و جان سے تیار رہیں۔ پھر اسی پر بس نہیں کہ وہ عاصیوں کو

بخش دیتا ہے بلکہ اپنے چاہنے والے اور توبہ کرنے والے بندوں کو محبوب بھی بنالیتا ہے کیونکہ وہ غَفُوْر بھی ہے اور وَدُوْد بھی جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہوا:۔ ان اللہ یحب التوّابین ویحب المتطهّرین۔ یقین جانو کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے اور پاک ہونے والوں سے بھی محبت فرماتا ہے"۔ جب گناہ کرکے توبہ کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے تو خیال کیجئے جو ہمیشہ طاعت میں لگے ہوئے ہیں یعنی اولیاء اللہ۔ تو ان سے اللہ سبحانہ کو کس درجہ محبت ہوگی؟ یہ محبت اللہ سبحانہ کی بندوں کے ساتھ تھی۔ اب بندے کی محبت کیسی ہونی چاہئے اس کا حال بھی سن لیجئے۔

ودود کے معنی حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔ الودود المحبّ الی عبادہ باسباغ النعم علیهم ودوام العافیۃ۔ ودود وہ ہے جو اپنے بندوں کا محبوب ہے ان پر اپنی نعمتیں پوری پوری اتارنے اور ہمیشہ ان کو عافیت میں رکھنے کی وجہ سے کا محبوب سب کا مطلوب ہے عمّ نوالہ"۔ یہاں ودود بمعنی مودود محبوب ہے۔ کیونکہ عباد صالحین' اللہ سبحانہ سے محبت کر رہے ہیں اور بندے کی محبت اللہ سبحانہ کے ساتھ یہ ہے کہ اس کی طاعت میں لگا رہے اور اس کے احکام بجالائے۔ اس کی عظمت کو پیش نظر رکھے اور ساتھ ہی دل میں اس کی ہیبت بھی قائم رہے۔ اگر ایسا نہ ہوگا تو بندہ اپنی طاعت وعبادت پہ مغرور ہو جانے کا اندیشہ رہیگا۔ پھر یہ سارے

جد وجہد رائگاں ہوگی۔ بلکہ ارباب حقیقت تو یہ فرماتے ہیں کہ سچی محبت یہ ہے کہ اس میں کوئی طمع یا طلب نہ ہو۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے:۔ ان اودّ الاوداء الیّ من عبدنی بغیر نوال لکن لیعطی الربوبیۃ حقھا۔ سب چاہنے والوں سے زیادہ چاہنے والا میرے نزدیک وہ ہے جو بغیر کسی داد ودہش کی توقع رکھنے کے میری عبادت میں مشغول ہو۔ اس کی نیت صرف یہ ہو کہ ربوبیت کا جو حق اس پر ہے اس حق کو ادا کرنے کی جد وجہد کر رہا ہو۔

ودود کی نشانی امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔ الودود ھو الذی یحب الخیر لجمیع الخلق فیحسن الیھم ویثنی علیھم۔ ودود وہ ہے جو تمام مخلوقات کی بھلائی چاہتا ہو جس کے نتیجہ میں وہ ہر کسی کے ساتھ حسن سلوک کرتا اور ان کی تعریف میں رطب اللسان رہتا ہو۔" اس اعتبار سے ودود جو باری تعالیٰ عز شانہ کے اسمائے حسنیٰ میں ہے اس کے معنی یہ ہوئے کہ حق سبحانہ تعالیٰ تمام مخلوقات کو عزت دینا اور ان کو اپنی نعمتوں سے سرفراز کرنا چاہتا ہے۔ اب بندوں کا فریضہ ہے کہ وہ طریقہ اختیار کریں جو ان کے لئے موجب عزت اور اللہ سبحانہ کی گوناگوں بے شمار نعمتوں کو اپنی طرف کھینچ لانے والا ہو۔ اسی بنا پر کہتے ہیں کہ عبد الودود کا ادنیٰ درجہ یہ ہے:۔ یرید للخلق اللہ کل ما یریدہ لنفسہ جو چیز اپنے لئے پسند کرتا ہو دوسروں

کے لئے بھی ان تمام چیزوں کو پسند کیا کرے" اور اس سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ایثار سے کام لے یعنی خود پر دوسروں کو ترجیح دے۔ اور اکمل مرتبہ یہ ہے کہ دوسروں سے خود کو ایذائیں بھی پہنچیں تو ان سے کینہ نہ رکھے نہ ان پر غضب آلود ہو بلکہ اس حالت میں بھی ایثار و احسان کو ہاتھ سے جانے نہ دے۔ جیسا کہ رحمت عالم خلق مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندان مبارک غزوۂ احد میں شہید ہوئے تو رب العزت جل جلالہ وعم نوالہ کی بارگاہ میں دست بدعا ہوئے:۔ اللّٰھم اغفر لقومی فانھم لا یعلمون۔ بار الٰہا! میری قوم کو معافی دیدیجئے اور ان کو اپنی بخشش سے سرافراز کیجئے کیونکہ وہ آپ کے نبی کی قدر جانتے ہی نہیں ہیں" یعنی آپ نے زخم کھا کر ان کے لئے نہ صرف دعا کی اور ان کی بھلائی چاہی بلکہ ان کی طرف سے معذرت کی اور عذرخواہی فرمائی کہ ان سے یہ حرکت نادانی اور محض ناواقفیت کی بنا پر سرزد ہوئی ہے اگر وہ واقف ہوتے تو ایسا کبھی نہ کرتے۔

مقربین پر سبقت لیجانے کی تدبیر حضرت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا علی مرتضےٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے فرمایا:۔ ان اردت ان تسبق المقربین فصل من قطعك واعط من حرمك واعف عمن ظلمك۔ (علی!) اگر تم چاہتے ہو کہ مقربان بارگاہ پر بھی سبقت لیجاؤ تو یہ تین کام کیا کرو۔ صلۂ رحمی کیا کرو اس کے ساتھ جس نے تمہارے ساتھ قطع رحمی سے کام لیا ہو اور اس کو اپنی عطا و نوازش سے بہرہ ور

رکھا کرو جس نے تم کو محروم رکھا ہو۔ اور اس کو معافی دے جاؤ جس نے تم پر ظلم کیا ہو"
یہ احکام تو حضرت شاہِ ولایت کرم اللہ وجہہ کے لئے صادر ہوئے تھے۔ جن کی ذاتِ پاک
ان تینوں اوصاف جمیلہ کی جامع تھی۔ ما و شما میں اگر ان میں سے ایک وصف بھی پایا
جائے تو بیڑا پار ہے۔

وظیفۂ ودود کے خواص علامہ اسمٰعیل حقیؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن سحر کے وقت
دل ہی دل میں **یا ودود** کا ورد جاری رکھا ہوا تھا کہ یکایک میری زبان سے یہ
کلمات بے اختیار جاری ہوئے:۔ یا ربّ اجعلنی محیطا۔ اے میرے پالنے والے!
مجھے تمام اوصاف کا احاطہ کرنے والا جامع بنا دیجئے" احاطۂ اشیاء اور
جامعیت اوصاف میں اسم باری **یا ودود** کو بڑی تاثیر حاصل ہے۔ کیوں نہ ہو
ودود بمعنی مودود یعنی محبوب بھی آتا ہے۔ گویا اللہ سبحانہ کے تمام اسمائے حسنیٰ
اسم ودود کو چاہتے ہیں تو ودود تمامی اسمائے حسنیٰ کا محبوب ہوا۔ تو دیگر اسمائے حسنیٰ
کے افعال و خواص اس میں مندرج و مندمج ہوئے اور یہ اس اعتبار سے سب کا جامع
قرار پایا۔ غالباً اسی وجہ سے ودود کو اسم اعظم بھی کہا گیا ہے۔ واللہ اعلم

امم سابقہ کے ایک تاجر کی مناجات احادیث شریفہ میں امم سابقہ کے ایک تاجر کی مناجات
اس طرح مروی ہے:۔ یا ودود' یا ذا العرش المجید'

یامبدئ یامعید اسألك بنور وجهك الذی ملأ ارکان عرشك وبقدرتك التی قدرت بها علی جمیع خلقك وبرحمتك التی وسعت کل شئ لا اله الا انت یامغیث اغثنی یامغیث اغثنی یامغیث اغثنی ۔ اے سب کو چاہنے والے خدا! اے عرش اعظم کے مالک!! اے ہر چیز کو ابتداءً پیدا کرنے والے!!! اے ہر ایک کے فنا ہونے کے بعد دوبارہ پیدا کرنے والے!!!! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں آپ کے نور ذات کا واسطہ دیکر جو تمام ارکان عرش پر جاری وساری ہے، اور آپ کی قدرت کا وسیلہ لے کر جو آپ کی تمام مخلوق پر حاوی ہے اور آپ کی رحمت کا توسل اختیار کرکے جو ہر چیز کو سمائی ہوئی ہے، آپکے سوا اور کوئی مستحق عبادت نہیں اے فریاد رس! میری فریاد رسی فرمائیے اے فریاد رس میری فریاد کو پہنچیے اے فریاد رس میری فریاد سن لیجیے" بالفاظ دیگر الودود ارشاد باری یحبھم ویحبونہ کا مجموعہ اور خلاصہ ہے کہ اللہ ان کو محبوب رکھتا ہے اور وہ اللہ کو محبوب رکھتے ہیں"

عرش کی تفسیر ذُو الْعَرْشِ الْمَجِیْدُ ۔ مالک ہے عرش کا بزرگی والا؛ یہ معنی اس وقت ہوں گے جبکہ مجید کو اللہ سبحانہ کا وصف قرار دیا جائے ۔ اور اللہ سبحانہ کی بزرگی یہ ہے کہ وہ اپنی ذات اور صفات میں بڑا ہی باعظمت ہے اور وہ واجب الوجود ہے اس کی قدرت اور اس کی حکمت درجہ کمال کو پہنچی ہوئی ہے کہ کائنات کی ہر کوئی چیز

اس کے آگے ہیچ ہے۔ یہی قرائت مشہور ہے۔ اور ایک قراءت میں مجید کو عرش
کی صفت قرار دیا گیا ہے یعنی وہ عرش اعظم کا مالک ہے۔ اس صورت میں عرش کی بزرگی
اور اس کی عظمت یہ ہے کہ جملہ تجلیات رحمانیہ عرش اعظم ہی کے ساتھ مختص ہیں۔ وہیں سے
ہر ایک رحمانی تجلی پڑتی ہے۔ اس طرح صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک ہر آن و
ہر لحظہ رحمانی تجلیات کا ظہور ہوتا رہتا ہے جن کی بدولت کائنات کا قیام ہے۔

عرش اعظم کی عظمت شان | عرش اعظم اللہ سبحانہ کی مخلوقات میں سب سے بڑی مخلوق ہے۔ حضرت شاہ ولایت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے :۔

لوجمعت میاہ الدنیا ومسح بھا سطح العرش الذی یلینا لما استوعبت منہ الا قلیل۔ (روح المعانی) اگر تمام دنیا کے (کنووں، حوضوں، کنٹوں، تالابوں، نالوں، چشموں، ندیوں، دریاؤں اور سمندروں کے) پانی ایک جگہ جمع کرکے اس سے عرش اعظم کی صرف وہ سطح جو ہماری سمت میں واقع ہے ان پانیوں سے عرش اعظم کا محض مسح کیا جائے تو وہ پانی پوری سطح کے لئے کافی نہ ہوسکے گا۔ کچھ ہی حصہ کا مسح ہوسکے گا۔" اس سے عرش اعظم کی وسعت اور عظمت کا اندازہ کرلیا جائے۔ نیز کرسی کی وسعت قرآن کریم میں بیان فرمائی گئی ہے :۔ وسع کرسیّہ السموات والارض۔ اس کی کرسی تمام آسمانوں اور ساری زمین سے بھی وسیع تر ہے۔" اور کرسی اور عرش کے متعلق صحیح حدیثوں میں ہے :۔ ما الکرسی فی جنب العرش الا کحلقۃ ملقاۃ فی ارض فلاۃ۔ عرش کی وسعت کے مقابلہ میں کرسی کی وسعت اتنی ہی قرار پاتی ہے کہ ایک لق ودق بیاباں میں کوئی انگوٹھی یا چھلہ پڑا ہوا ہو۔" اب خیال کیجئے کہ جو ذات ستودہ صفات اس کائنات اور ایسے عرش وکرسی کی خالق ومالک ہو۔ اس کی عظمت شان، اس کی بزرگی، قدرت، اور علم وحکمت کا کیا اندازہ کیا جاسکتا ہے؟

اسی لئے بڑے بڑے عرفائے کاملین اس کا اعتراف بہ ایں ابیات کرکے خاموش رہے ہ

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم و زہر چہ گفتہ ایم و شنیدیم و خواندہ ایم

دفتر تمام گشت و بہ پایاں رسید عمر ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

فعّال لما یرید کی تفسیر فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ۔ کر گزرتا ہے ہر وہ جس کا وہ ارادہ کرے" اس کے ارادے کو کوئی روک نہیں سکتا۔ ارشاد باری ہے:۔ انّما امرہٗ اذا آراد شیئا ان یقول لہٗ کن فیکون۔ اس کی شان تو یہ ہے کہ جب کسی چیز کی نسبت اس کا ارادہ ہو جائے کہ وہ یوں ہو تو بس وہ ویسی ہی ہو رہتی ہے"۔ چنانچہ ہر لحظہ اور ہر آن جس قدر افعال صادر ہو رہے ہیں وہ سب ارادۂ الٰہی سے ہیں۔ خواہ وہ افعال الٰہیہ ہوں جیسے جلانا اور مارنا' عزت دینا یا ذلت نصیب کرنا' تونگر بنانا یا محتاج کرنا' بیماری دینا یا صحتمند کرنا' کسی کو اپنا قرب نصیب کرنا یا دور کر دینا' بنانا یا بگاڑنا' آباد کرنا یا ویران کرنا' ملانا یا فراق میں مبتلا کرنا' غفلت کا پردہ اٹھا دینا یا پردہ ڈال دینا' روزی دینا یا فقر و فاقہ میں مبتلا کرنا وغیرہ وغیرہ۔ یا وہ دوسروں کے افعال ہوں خواہ انسانوں کے کام ہوں جو صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک جاری ہیں' جیسے سونا یا جاگنا' اٹھنا یا بیٹھنا یا چلنا پھرنا' کھانا یا پینا' سیر و تفریح کرنا یا سفر اختیار کرنا' مفید کام کرنا یا ضرر رساں کاموں میں حصہ لینا'

رشد و ہدایت اختیار کرنا یا گمراہی و ضلالت میں پڑے رہنا وغیرہ وغیرہ اسی طرح وہ افعال جن کے ہوں یا ملائکہ کے، حیوانات کے ہوں یا نباتات و جمادات سے متعلق ہوں، سب کے سب ارادۂ الٰہی کے تابع ہیں۔ یہ تو وہ افعال ہوئے جو اس عالم میں جاری وساری ہیں۔ اسی طرح عالم برزخ، میدان حشر، موقف حساب، میزان، صراط اور جنت و دوزخ میں جو کچھ ہوگا وہ بھی ارادۂ الٰہی سے ہوگا۔ چونکہ یہ افعال گوناگوں نوعیت کے ہیں اور حد وحساب سے باہر جن کا شمار کرنا بھی دشوار ہے اس لئے فعّال صیغہ مبالغہ ارشاد ہوا تاکہ ان تمام افعال کی کثرت کی طرف اشارہ ہو۔ بہرحال فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ کے مختصر سے جملے میں سارے عوالم کے جملہ افعال کو جن کا سلسلہ ازل سے ابد تک ہے سمو دیا گیا ہے یہ جامعیت اور یہ اختصار بھی اسی کا حق ہے۔ جل جلالہ وعم نوالہ۔

یہاں یہ بتا دینا مقصود ہے کہ منجانب اللہ جو کچھ بھی ہوا یا ہو رہا ہے یا ہوگا عین حکمت ہے۔ کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں۔ کافروں کی گرفتاری اور دائمی تعذیب، مجرمین کی تا بحد جرم سزا و تادیب عین عدل ہے اور مومنین اور توبہ کرنے والوں کی معافی اور مغفرت، اولیاء اللہ کے ساتھ مودت و محبت، محض فضل اور یہی اقتضائے حکمت ہے۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب

آخری مرتبہ بیمار ہوئے تو لوگوں نے عرض کیا، کیا ہم کسی حکیم کو بلا لائیں تو فرمایا حکیم نے مجھے دیکھ لیا۔ لوگوں نے پوچھا پھر اُس نے کیا کہا؟ تو فرمایا کہ حکیم کا کہنا یہ ہے۔ "انّی فعال لما ارید میں جو چاہتا ہوں وہی کر گزروں گا" لوگ سمجھ گئے کہ آپ کے تمام کام ارادۂ الٰہی کے تابع ہیں۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ۙ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ۝ "کچھ پہنچی آپ کو بات ان لشکروں کی؟ فرعون اور ثمود کے"

حدیث الجنود کی تفسیر حضرت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب فرمایا جا رہا ہے کہ اے ہمارے حبیب! آپ کو انبیاء ورسل (علیہم الصلاۃ والسلام) کے مقابلے پر اُتر آنے والے لشکروں کا کچھ احوال پہنچا ہے؟ لشکر فرعون موسیٰ وہارون (علیہما السلام) کے مقابلے میں اور قوم ثمود پوری کی پوری صالح (علیہ السلام) کے مقابلہ کے لئے اتر آئی تھی۔ پھر دیکھتے دیکھتے روز روشن میں ان کا کیا حشر ہوا؟ کس طرح وہ چشم زدن میں نیست ونابود کر دیے گئے۔ فرعون کا واقعہ زیادہ عرصہ کا نہیں اور مصر زیادہ دور نہیں۔ البتہ قوم ثمود کے واقعہ پر اگرچہ عرصہ زیادہ گزر چکا ہے لیکن دیار ثمود مکہ اور شام کے درمیان واقع ہیں۔ رحلۃ الشتاء والصیف کے موقع پر یہ علاقہ مکہ والوں کو راستہ ہی میں پڑتا ہے اور آتے جاتے ہوئے ان بستیوں کے کھنڈر سامنے

آتے رہتے ہیں۔ کفار مکہ نے بارہا ان علاقوں کو دیکھا ہوگا۔ ان لوگوں نے کبھی سوچا
کہ یہ ساری تباہی و بربادی کس بنا پر ہوئی تھی؟ اگر کفار کو اس پر غور کرنے کی نوبت
نہیں آئی تو آپ ہی ان کو سنا دیجئے کہ یہ اقوام اپنے عہد کے پیغمبروں اور ان کی
کتابوں کو ماننے کی جگہ ان کے مقابلے پر اتر آئی تھیں۔ پھر ان کا جو حشر ہوا وہ سب کچھ
تم جانتے ہو۔ اور اب تم میں جو پیغمبر آخر الزماں سید الرسل خاتم النبین صلوات اللہ
وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین تشریف لائے ہیں اور ان پر جو کتاب قرآن کریم نازل ہوئی
ہے ان کو مان لو۔ اور ان کا اتباع کرو۔ یہی راہ نجات ہے۔ مبادا اگر تم بھی قوم
ثمود و فرعون کی طرح مقابلہ پر اتر آؤ گے تو ظاہر ہے کہ نیست و نابود ہو جاؤ گے اور
قیامت تک کامیاب نہ ہو سکو گے اور اسی طرح تباہ و برباد ہو جاؤ گے جس طرح یہ
امم سابقہ برباد ہوئیں۔ قوم فرعون و ثمود کا قصہ کئی دفعہ بیان ہو چکا ہے اس لئے
اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں رہی۔

بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ۙ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ 85-19 85-20
مُّحِيْطٌ ۚ بلکہ کافر جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں، اور اللہ نے ان کو ہر طرف سے
گھیر رکھا ہے''۔

فی تکذیب کی تفسیر | یعنی اے نبی کریم! آپ کی قوم میں جو منکرین کفار ہیں ان کا

۸۵ (البروج) ۲۰

کفر اور انکار، قوم فرعون اور ثمود سے بھی بڑھا چڑھا ہے۔ ان کو امم سابقہ کے احوال نہیں سنائے گئے تھے۔ کیونکہ وہ اگلے زمانہ کی اقوام تھیں۔ اور یہ قوم سب کے آخر میں آئی ہے۔ ان کے آگے تمام اقوام کے حالات و واقعات ہیں جو ان کو بار بار سنائے جا رہے ہیں۔ ان کو چاہیے تھا کہ اگلے کفار پر جو کچھ گزری اس سے سبق لیتے اور اپنے حالات درست کرتے۔ اور یہ واقعات خود ان کو بھی پہلے سے معلوم ہیں۔ کیونکہ اپنے آباؤ اجداد سے سنتے آ رہے ہیں، قرآن کریم بھی ان ہی معلومہ واقعات کو ان پر دوہرا رہا ہے اور ان کی یاد تازہ کر رہا ہے۔ مگر ان کے کفر و عناد کا یہ حال ہے کہ سب کچھ جانتے اور مانتے ہوئے قرآن کریم کی اور قرآن کریم کو پڑھ کر سنانے والوں کی تکذیب میں رات دن لگے ہوئے رہیں تو ان کا کفر و عناد امم سابقہ کے کفر سے بڑھا ہوا ہے۔ اُن قوموں پر تکذیب رسلؑ کی بنا پر عذاب آیا تھا اور وہ مستحق عذاب ٹھہرے تھے تو یہ قوم اُن کے مقابلے میں عذاب کی زیادہ مستحق ہے اور ان کا عذاب امم سابقہ کے مقابلے میں سخت تر ہونا چاہیے۔

من ورائهم کی تفسیر

قرآن کریم ایسا کلام معجز نظام ہے کہ تمام جن و انس بھی مل کر اپنی متفقہ کوشش سے ایسا کوئی کلام پیش نہیں کر سکتے۔ نیز اس میں جو اصول و احکام، مواعظ و نصائح، ضرب الامثال اور پیشین گوئیاں مذکور ہیں کسی کی طاقت

نہیں کہ اس کے متبادل امور پیش کر سکے۔ پھر جس اہتمام سے اس کو اتارا گیا ہے کہ یہ کلام مجید ملائکہ کرام کے محافظ دستے کے جلو میں ایک معزز و مکرم فرشتے جبرئیل امین کی زبانی بھیجا جاتا ہے اور وہ اس کو بجنسہٖ بے کم و کاست اور بغیر کسی اضافے اور زیادتی کے کا نّہ ھو آپ کے قلب مبارک پر اس کا القاء کرتے رہتے ہیں تو اس کے منزّل من اللہ ہونے میں کسی ریب و تردد کی گنجائش ہی کہاں ہے۔ بایں ہمہ ان کفار کو یہی خبط سمایا ہوا ہے کہ یہ اللہ سبحانہ کا کلام نہیں اور یہی باطل خیال ان کو ایسا گھیرے ہوئے ہے کہ وہ اس سے نکلتے ہی نہیں۔ تو وہ یاد رکھیں:۔ وَاللّٰهُ مِن وَّرَآئِهِم مُّحِيطٌ۔ اللہ سبحانہ بھی ان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ اس کے احاطۂ علم و قدرت سے مجال نہیں کہ یہ کہیں باہر نکل سکیں۔ وہ قرآن کریم کی تکذیب کر رہے ہیں اور اس کی تکذیب کی نت نئی صورتیں تراشتے جا رہے ہیں تو وہ خود ہی اپنے اس کرتوت کی بنا پر ہماری گرفت میں آتے جا رہے اور اپنے ہی ہاتھوں سے عذاب و نکال کے جال میں پھنستے جا رہے ہیں۔

دوسری تفسیر بعض مفسرین نے وَرَآءِ کے معنی "پیچھے" کے لئے ہیں۔ اس اعتبار سے آیۂ کریمہ وَاللّٰهُ مِن وَرَآئِهِم مُّحِيطٌ کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ سبحانہٗ ان کے پیچھے سے ان کو گھیرے میں لے رکھا ہے۔" یہ تفسیر اس امر کے نظر کرتے ہے کہ قرآن کریم کو

کفار نے چونکہ پس پشت ڈال رکھا ہے۔ نہ اس کو کبھی پڑھتے، نہ اس کے معانی و مطالب پر غور کرتے۔ تو اللہ سبحانہ نے بھی ان کو ان کے پیچھے سے گھیر رکھا ہے۔ کفار تو تکذیب کے درپے ہیں۔ اور یہ سمجھتے جا رہے ہیں کہ ہم اس کو جھٹلا کر اس کے احکام کی پابندی سے آزاد ہو رہے ہیں مگر ان کو خبر نہیں کہ یہی چیز ان کی گرفتاری اور دائمی سزا میں مبتلا ہونے کا موجب بنتی جا رہی ہے۔ جب کائنات کی کوئی چیز ہمارے علم و قدرت کے احاطہ سے باہر نہیں تو یہ کفار کس طرح چھوٹ سکتے ہیں؟ نجات کی واحد صورت یہی ہے کہ قرآن کریم کو اللہ سبحانہ کا کلام تسلیم کریں اور اس پر ایمان لا کر اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں۔ ورنہ یاد رہے کہ وہ عذاب دائمی سے بچ نہیں سکتے۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ اسی دنیا میں بھی ان کو تکذیب کی سزا مل جائے اور آخرت کی سزا تو ان کے لئے مقرر ہی ہے۔ اللھم احفظنا۔ آمین۔

85-21 بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۙ
85-22 فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۧ بلکہ یہ قرآن ہے بڑی شان کا (لکھا ہوا) لوح محفوظ میں"

قرآن کی تفسیر یعنی قرآن کریم کی نسبت کفار جو کہا کرتے ہیں کہ اس میں صرف اگلوں کی کہانیاں ہیں۔ ہم بھی ایسی کہانیاں سنا سکتے ہیں۔ یا اسی قسم کی بکواس کیا کرتے ہیں واقعہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ جس کتاب عظیم کا نام قرآن ہے یہ ایسا کلام

۸۵ (۲۱-۲۲) ع ۲۲

معجز نظام ہے کہ اس کی خوبی اور برتری اس کے نام ہی سے ظاہر ہے۔ یعنی یہ قرآن ہے پڑھنے کے قابل۔ اس کو پڑھتے ہی جائیے تو اس میں وہ لطف اور جاذبیت ہے کہ پڑھنے کی طرف دل مائل ہی ہوتے جاتے ہیں۔ بس کرنے کو جی چاہتا ہی نہیں۔ ایک رکوع کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا اور چوتھا' اسی طرح ایک سورت کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری اور چوتھی سورت پڑھے بغیر سیری حاصل نہیں ہوتی۔ پڑھنے والے روزانہ ایک ایک پارہ نہیں بلکہ ایک منزل پڑھ لیتے ہیں جو چار چار پانچ پانچ پاروں میں ختم ہوتی ہے۔ اس طرح مہینے میں ایک دور کی جگہ ہفتے میں ایک دور ختم کر لیتے ہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر دو دو منزلیں طے کر جاتے ہیں مگر تکان مطلقاً محسوس نہیں کرتے۔ ایسے بھی بندگان خدا ہیں جو ہر دوسرے دن ایک ختم کیا کرتے ہیں۔ اور ایسے بھی عاشقان کلام پاک ہیں جو روزانہ ایک دور ختم کر لیتے ہیں۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ رمضان شریف میں روزانہ ایک ختم دن کے نوافل میں اور ایک ختم رات کے نوافل میں فرمایا کرتے اور تراویح کا ختم پورے مہینے میں ایک بار ہوتا۔ حضرت جامع القرآن کامل الحیاء والایمان سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وتر کی ایک رکعت میں پورا قرآن ختم فرمایا تھا۔

مجید کی تفسیر | مَجِیْدٌ۔ بڑی شان والا" قرآن کریم کی رفعت شان کا کیا پوچھنا

برس ہا برس عرش اعظم پر تھا جس کو پاکیزہ فرشتوں کے سوا اور کوئی چھو نہیں سکتا تھا۔ ماہ مبارک رمضان شریف میں عرش اعظم سے سماء دنیا پر اترا۔ پھر حضرت جبرئیل امین کی زبانی فرشتگان کرام کے جلو میں وقتاً فوقتاً تیئیس سال کے عرصہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوتا رہا۔ سال بھر میں جس قدر نازل ہوتا حضرت جبرئیل علیہ السلام رمضان المبارک میں آکر اس کو سناتے پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنتے۔ آخری سال میں سننے سنانے کے لئے دو دفعہ تشریف لائے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت اپنے ذمہ لی۔ اس طرح تا قیامت اس کے بقاو حفظ کا اہتمام فرمایا گیا۔ بندوں کو حکم ہے کہ وضو یا تیمم کئے بغیر اس کو ہاتھ نہ لگائیں البتہ زبانی پڑھ سکتے ہیں لیکن حالت جنابت ہو تو نہ ہاتھ لگا سکتے اور نہ زبانی ہی پڑھ سکتے۔ دوسری کتابیں ساتھ ہوں تو قرآن کریم کو سب سے اوپر رکھا جائے۔ قرآن کریم کا رسم الخط جدا' اس کے خلاف لکھا نہیں جا سکتا فن تجوید و قرأت جدا' اس کے خلاف پڑھا نہیں جا سکتا۔ اس کی تفسیر بالرائے جائز نہیں اس کے خلاف کوئی عمل درست نہیں۔ اس کے ایک ایک حرف کے پڑھنے پر دس دس نیکیاں ملتی ہیں۔ اس کو دیکھنا بھی عبادت میں شامل ہے۔ ایک سو چودہ سورتوں' سات منزلوں' تیس جزو' اور (۶۶۶۶) آیات پر مشتمل رہنے کے باوجود اتنا آسان ہے کہ ایک ایک بچہ بھی اس کو زبانی یاد کر لیتا اور وقت پر پڑھ سناتا ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے

چھ سال کی عمر میں، اور حضرت امام محمدؒ نے ایک ہفتہ میں اس کو حفظ کر لیا تھا۔ اسی سے قرآن کریم کی شان ظاہر ہے۔

فِیْ لَوْحٍ کی تفسیر | فِیْ لَوْحٍ۔ (لکھا ہوا ہے) لوح میں "۔ لوح کے معنی تختی کے ہیں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔ اخبرت ان لوح الذکر لوح واحد فیہ الذکر وان ذلک اللوح من نور وانہ مسیرۃ ثلاث مائۃ سنۃ (ابن المنذر) مجھے خبر دی گئی ہے کہ لوح سے لوح ذکر مراد ہے جس میں ذکر یعنی قرآن مجید مکتوب ہے اور یہ تختی نور کی ہے یہ اتنی طویل و عریض ہے کہ اس کو طے کرنے میں تین سو سال درکار ہوتے ہیں "۔ اور دوسری دفعہ فرمایا: خلق اللہ اللوح المحفوظ لمسیرۃ مائۃ عام فقال للقلم قبل ان یخلق الخلق اکتب علی فی خلقی فجری بما ھو کائن الی یوم القیامۃ (ابو الشیخ) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے لوح محفوظ اتنی وسیع بنائی کہ سو سال میں اس کو طے کیا جا سکے۔ پھر دیگر مخلوقات کی آفرینش سے پیشتر قلم کو یہ حکم دیا کہ میری تمام مخلوق کے باب میں جو میرا علم ہے اس کو (لوح محفوظ میں) لکھ دے تو اس نے قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا سب لکھ دیا "۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :۔ ان للہ لوحا من زبرجدۃ خضراء جعلہ تحت العرش وکتب فیہ انی انا اللہ لا الہ الا انا خلقت ثلاث مائۃ

و بضعة عشر خلقا من جاء بخلق منها مع شهادة ان لا اله الا الله دخل الجنة ۔ (ابن ابی الدنیا، بیہقی، ابوالشیخ، ابن مردویہ) یقین جانو کہ اللہ سبحانہ کی ایک تختی ہے۔ زبرجد سبز سے بنی ہوئی، اس کو عرش اعظم کے تحت رکھا ہے اور اس میں لکھا ہے کہ اللہ میں ہی ہوں میرے سوا کوئی بھی قابل پرستش نہیں ہے۔ میں نے تین سو دس سے کچھ زائد شرائع پیدا کئے ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک شریعت بھی اختیار کر کے میرے ہاں حاضر ہوگا درحالیکہ وہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ سبحانہ کے سوا کوئی بھی پرستش کے قابل نہیں تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔" حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان بین یدی الرحمن تبارک و تعالی للوحا فیہ ثلاث مائة وخمس عشرة شریعة یقول الرحمن وعزتی وجلالی لا یجیئنی عبد من عبادی لا یشرک بی شیئا فیہ واحدة منکن الا ادخلتہ الجنة (عبد بن حمید، ابویعلیٰ) یقیناً خدائے رحمٰن تبارک و تعالیٰ کے روبرو ایک تختی ہے جس میں تین سو پندرہ شریعتیں درج ہیں۔ خدائے رحمٰن کا ارشاد ہے میری عزت وجلال کی قسم ہے کہ میرے بندوں میں سے جو کوئی بندہ، جو میرے ساتھ کسی کو نہ شریک نہ ٹھہراتا ہو، تم میں سے کسی ایک شریعت کو اختیار کئے ہوئے میرے پاس حاضر ہوگا اس کو ضرور جنت میں داخل کروں گا۔"

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ یہاں مرسلین سابقین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین کی شریعتوں کی طرف اشارہ ہے جبکہ ان کے عہد میں یہ شریعتیں جاری تھیں۔ ظاہر ہے کہ اس زمانے میں ان پر عمل کرنیوالے جنت میں جائینگے لیکن حضرت نبی آخرالزماں علیہ صلوات اللہ وسلام الرحمان کے عہد مبارک میں جبکہ وہ شریعتیں منسوخ ہوچکیں اور دنیا سے انکی تعلیمات اُٹھ گئیں تو اب ان پر عمل کرنا صحیح نہ ہوگا۔ اول تو وہ شریعتیں محفوظ نہیں رہیں اور اگر ان کے کچھ آثار باقی بھی ہیں تو چونکہ وہ منسوخ ہوچکی ہیں لہٰذا ان پر عمل آوری کا دعوی قابل سماعت نہ ہوگا۔ اب صرف شریعت مصطفویہ ہی پر عمل کرنا ہوگا اور اسی پر نجات موقوف و منحصر رہیگی۔ چنانچہ اس کی تائید روایت ذیل سے ہوتی ہے:۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ ان فی صدر اللوح لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ دینہ الاسلام ومحمد عبدہٗ ورسولہ فمن آمن باللہ وصدق بوعدہٖ واتبع رسلہ ادخلہ الجنۃ۔ (بغوی ابن کثیر) یقین جانو کہ لوح محفوظ کی ابتدا میں لکھا ہے کہ خدائے واحد کے سوا کوئی ہستی لائق عبادت نہیں، اس کا دین اسلام ہے اور (حضرت) محمد (مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں لہٰذا جو کوئی اللہ پر ایمان لائے اور اس کے وعدوں کی تصدیق کرے اور اس کے بھیجے ہوئے رسولوں کا اتباع کرے تو میں اس کو جنت میں داخل کروں گا۔" حضرت ابن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا:۔ واللوح لوح من درۃ بیضاء طولہ مابین السماء والارض وعرضہ ما بین المشرق والمغرب

وجا فتاه من الدر والیاقوت ودفتاه یاقوتة حمراء وقلمه نور وکلامه معقود بالعرش واصله فی حجر ملك۔ (بغوی ابن کثیر) لوحِ اعظم سفید موتی کی تختی ہے جس کا طول اتنا ہے جتنی آسمان اور زمین کے درمیان مسافت ہے اور اس کا عرض اتنا جتنا کہ مشرق اور مغرب کے درمیان ہے اور اس کی کناریاں موتی اور یاقوت کی ہیں اور اس کے مقوے یاقوت سرخ کے، اس کی تحریر نور کی، اور اس کا کلام عرشِ اعظم سے بندھا ہوا اور اصل لوح فرشتے کی گود میں دی ہوئی ہے۔" اور یہ بھی فرمایا:۔ ان اللہ تعالیٰ خلق لوحا محفوظا من درۃ بیضاء صفحاتها من یاقوتة حمراء قلمه نور وکتابه نور وللہ فیه فی کل یوم ستون وثلاث مائة لحظة یخلق ویرزق ویمیت ویحیی ویعز ویذل ویفعل ما یشاء۔ (طبرانی) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ کو سفید موتی سے پیدا کیا جس کے صفحات یاقوت سرخ کے ہیں، اس کا قلم نور کا اور اس کی تحریر بھی نور کی ہے اور اللہ سبحانہ تعالیٰ روزانہ اس کو تین سو ساٹھ دفعہ ملاحظہ فرماتا رہتا ہے (اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ) اللہ سبحانہ تعالیٰ پیدا بھی کرتا ہے اور رزق بھی دیتا ہے، مارتا بھی ہے اور جلاتا بھی، عزت بھی دیتا ہے اور ذلت بھی، اور جو چاہتا ہے کرتا ہے۔" حضرت انسؓ نے بھی ایسا ہی فرمایا ہے۔ اور یہ روایات ابوالشیخ اور ابن مردویہ سے بھی مروی ہیں۔ یہ لوح کا بیان ہوا۔

محفوظ کی تفسیر | مَّحْفُوظٍ۔ (یہ قرآن مجید لکھا ہوا ہے لوح میں) جس کی حفاظت

کی گئی ہے "حضرت قتادہ فرماتے ہیں :۔ محفوظ عند اللہ ۔ (عبدالرزاق، ابن المنذر) (قرآن مجید) اللہ سبحانہ کے پاس محفوظ ہے" یعنی خود اللہ سبحانہ اس کا محافظ ہے جیساکہ سورۂ نحل میں ارشاد ہوا ہے :۔ وانا له لحافظون ۔ اور ہم ہی اس کی حفاظت کرتے ہیں" یہ حفاظت کس نوعیت کی ہے اس کا علم اللہ سبحانہ کو ہے ۔ حضرت عبداللہ بن بریدہؓ فرماتے ہیں :۔ لوح عند اللہ وھو ام الکتاب ۔ (ابن المنذر) اللہ سبحانہ کے پاس ایک تختی ہے (اس پر لکھا ہے) اور وہی تمام کتابوں کی اصل ہے" یعنی سارے علوم کا منبع وہی ہے اور دنیا کے مصاحف شریفہ میں جو کچھ لکھا ہے اس کی اصل بھی یہی ہے ۔ حضرت قتادہ نے یہ بھی فرمایا :۔ فی صدور المؤمنین ۔ (عبد بن حمید، ابن المنذر) ایمان والوں کے سینوں میں ہے" چنانچہ مسلمانوں کا بچہ بچہ اس کا حافظ ہے ۔ یہ حفاظت اہل زمین کے ذریعہ ہے ۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں :۔ ان اللوح المحفوظ الذی ذکرہ اللہ فی القرآن فی قوله بل ھو قرآن مجید فی لوح محفوظ فی جبھة اسرافیل (ابن جریر) لوح محفوظ جس کا بیان اللہ سبحانہ تعالیٰ نے آیہ کریمہ بل ھو قرآن مجید فی لوح محفوظ میں فرمایا ہے (اللہ سبحانہ کے مکرم فرشتے) اسرافیل (علیہ السلام) کی پیشانی میں محفوظ ہے" یہ حفاظت ساکنین سماوات اور ملأ اعلیٰ کے ذریعہ ہے ۔ اب غور کرنا چاہئے کہ جس کتاب کریم کی حفاظت اس طرح منجانب اللہ

کی گئی ہو۔ اس میں کسی زیادتی یا کمی اور تحریف و تبدیل کی کہاں گنجایش ہے۔ یہ بھی قرآن کریم کا اعجاز ہے کہ اس کلام پاک کو نازل ہوئے چودہ سو سال ہوتے ہیں۔ اس طویل و عریض مدت میں سینکڑوں حوادث و آفات آتے رہے اور زمانہ کی دستبرد سے بڑی بڑی سلطنتیں تک محفوظ نہ رہ سکیں مگر قرآن کریم ہے کہ وہ ہر طرح محفوظ و مصئون ہے۔ اور تا قیامت اسی طرح محفوظ رہیگا۔ اس سے ثابت ہے کہ یہ اللہ سبحانہ کا کلام ہے۔ اس کے باوجود کسی کا یہ کہنا کہ قرآن کریم کے چالیس پارے تھے۔ ان میں سے دس پارے خارج کردئے گئے ایسا کہنا کیا ارشاد باری تعالیٰ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون اور اس آیہ کریمہ فی لوح محفوظ کی صریح تکذیب نہیں ہے۔ ایسا کہنے والے بجائے خود ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ واللہ الموفق

خاتمہ الحمد للہ والمنہ کہ سورۂ بروج کی تفسیر ختم ہوئی جو طوال مفصل کی آخری سورت ہے اس کے بعد سے اوساط مفصل شروع ہوتے ہیں۔ ربنا اتمم لنا نورنا واغفرلنا انک علی کل شیئ قدیر۔ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی خیر خلقہ سیدنا محمد و علی آلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین والحمد للہ رب العالمین۔

(۷ ربیع المنور ۱۳۸۰ھ)